

کرونا، ترقی کا دروازہ کھول سکتا ہے!

منگول طاقت کے عروج پر تھے۔ دنیا کی تلواروں کی ذمیں تھیں۔ طوفانی گھوڑے سمون سے پرانی بادشاہتوں کو روند رہے تھے۔ منگول بذاتِ خود طاقت، تکبر اور موت کا دوسرا نام تھے۔ مگر یہ سب طاقت صرف ایک چوہے کے سامنے ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ انکے زمانے میں سڑکیں بنائی گئیں۔ تاکہ تجارت آسانی سے ہو سکے اور فوجوں کو بھی آنے جانے میں حد رجہ آسانی ہو جائے۔ پلیگ جوبنیادی طور پر چوہے والے پوسے پھیلتی تھی۔ آہستہ آہستہ جڑیں پکڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسی دور میں ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا۔ منگولوں نے 1936 میں کریمپاکے ایک شہر کا فاما محاصرہ کر ڈالا۔ یہ بہت طویل تھا۔ تقریباً تین برس جاری رہا۔ منگول فوج کیونکہ اکٹھی رہتی تھی۔ اسلیے طاعون کو پھیلنے کیلئے بہترین حالات مل گئے۔ فوج کے سپاہی بیماری سے دھڑکنے مرنے لگے۔ بازوؤں کے درمیان گلیاں نکلتی تھیں۔ چند نوں میں مواد جمع ہو جاتا تھا اور اسکے بعد موت۔ جنگ بھی حد رجہ عجیب چیز ہوتی ہے۔ منگولوں نے مردہ سپاہیوں کی لاشیں کافا دیواروں کے اندر پھینکنی شروع کر دیں۔ طاعون اس شہر میں بھی پھیل گئی۔ وہاں کے کچھ شہری بھری جہازوں کے ذریعے فرار ہو کر فرانس، سپین، اٹلی پہنچ گئے۔ یہ وباء یورپ پر دھشت کی دستک دینے لگی۔ بھری جہاز کے مسافروں کے ذریعے طاعون، لندن بھی پہنچ گئی۔ پورا یورپ اس بھیانک موت کا شکار ہو گیا۔ شہر کے شہر خالی ہو گئے۔ لاشوں کو فن کرنے کیلئے قبرستان کم پڑ گئے۔ جہاں بھی اندازہ ہوتا تھا کہ گھر میں طاعون آچکی ہے۔ محلہ والے پورے گھر کو نظر آتش کر دیتے تھے۔ کھیتوں میں فصل کاٹنے کیلئے مزدور نایاب ہو گئے۔ حیرت انگیز بات کہ آج سے ٹھیک سات سو برس پہلے یورپ میں سازشی تھیوری نے اسی طرح جنم لیا، جس طرح آج ہمارے ملک میں ہو رہا ہے۔ طاعون کو یہودیوں کی سازش قرار دیدیا گیا۔ لندن میں جانور تک اس کا شکار ہو گئے۔ اموات سات کروڑ سے لیکر پچیس کروڑ تک بتائی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ دنیا کی بیشتر آبادی ختم ہو گئی۔

مگر کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ یورپ کی ترقی کا سفر اسی بیماری کے خاتمے کے بعد شروع ہوا۔ افرادی قوت کی کمی کی بدولت، مزدوروں کی تنخواہوں میں حد رجہ اضافہ کرنا پڑا۔ جاگیرداری نظام دم توڑنے لگا۔ اس بیماری میں امیر اور غریب یکساں متاثر ہوئے۔ اب زمینیں تھیں، مگر کاشت کرنے کیلئے لوگ نہیں تھے۔ گھر تھے، مگر مکین نہیں تھے۔ ڈھور ڈنگر سب کچھ ختم ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں کیونکہ صنعتی ترقی کا دور شروع نہیں ہوا تھا۔ لہذا، وسائل آمدنی، صرف زراعت اور تجارت پر ہی مخصر تھے۔ ان شعبوں میں قلیل عرصے میں محیر العقول ترقی ہوئی۔ ذرائع آمدن کے بڑھنے سے لوگوں کے حالات بہتر ہو گئے۔ ترقی کا ایک سفر شروع ہوا جو کہ یورپ کو دنیا کی بادشاہت دے گیا۔ ہاں، ایک اور اہم بات۔ اس زمانے کے سائنسدانوں نے تحقیق شروع کر دی۔ طویل عرصے کی محنت سے یہ حقیقت دنیا کے سامنے لائی گئی، کہ اس بیماری کا اصل منبع چوہے پر موجود پسون ہیں۔ علاج دریافت کیا گیا اور یہ بھی ثابت کیا گیا کہ طاعون یا کوئی بھی وباء خدا کا عذاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ زمینی حفاظت کے زیر اثر جنم لیتی ہے۔ مناسب علاج سے ٹھیک بھی ہو جاتی ہے۔ طاعون کی بے انتہا تباہی، دراصل جدید یورپ کی ترقی کی بنیاد بن گئی۔ جدید سائنس، علم، تحقیق، کے ذریعے نئی حقیقوں کے فقید المثال دروازے کھلے

گئے۔ جس نے یورپ کو دنیا کا امیر ترین خطہ بنادیا۔

عرض کرنے کا مقصد بالکل سادہ سا ہے۔ ہر باء اپنے ساتھ بتا ہی ضرور لاتی ہے۔ مگر ساتھ ساتھ، بے پناہ ترقی کی نئی جہتیں بھی کھول دیتی ہے۔ عقائد و مفہومیں ان مصائب سے بر بادی نہیں، بلکہ نئی جدوجہد اور ترقی کے راستے پر گامزن ہونا سیکھتی ہیں۔ جو ملک ناگہانی آفتوں سے سبق نہیں لیتے، تاریخ کے کوڑا داں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ قوموں کے عملی رویوں پر منحصر ہوتا ہے کہ اپنا خوشحال مستقبل اپنے ہاتھوں سے کس طرح تراشتے ہیں۔ اس وقت جب پوری دنیا، کرونا جیسی بیماری سے غیر فعال ہو چکی ہے۔ یقین فرمائیے، نئے امکانات کی نایاب دنیا سامنے آنے کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ پرانی وباوں کے مقابلے میں کرونا کسی طور پر مہلک ثابت نہیں ہوئی۔ آج تک کرونا سے ہارنے والوں کی تعداد صرف ایک لاکھ اٹھائیں ہزار ہے۔ کرونا کے مہلک ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مگر اسکی شرح اموات اس قدر کم ہے کہ اسکا پرانی وباوں سے موازنہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں، ذرائع ابلاغ کے بڑھ جانے سے، بیماری کا خوف حد درجہ زیادہ ہو چکا ہے۔ توجہ، ایک اور طرف مبذول کرواتا ہوں۔ سالانہ، دنیا کی آبادی میں چودہ کروڑ افراد کا اضافہ ہوتا ہے اور تقریباً چھ کروڑ لوگ سالانہ قلمبہ اجل بنتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ کرونا اگر چند ماہ اور بھی جاری رہتا ہے تو اس سے دنیا کی مجموعی آبادی پر کوئی بھی فرق نہیں پڑیگا۔ مگر ایک بہت بڑی تبدیلی ملکوں میں دستک دے رہی ہے۔ وہ ہے درست سمت میں فیصلے کرنے کی عملی دعوت۔ دیکھا جائے تو یہ کرونا کا ہمارے اوپر سب سے بڑا احسان ہو سکتا ہے۔

سبحیدگی سے سوچنا چاہیے کہ کرونا کی وباء کے ختم ہونے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کس طرح اپنے ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنا چاہیے۔ اس پر حد درجہ مدل بجٹ کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ، کہ ہمیں عملی طور پر احساس ہونے لگا ہے کہ مختلف حکومتوں نے صحت اور تعلیم کے شعبوں میں صرف اور صرف کم مایگی کا غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنایا ہے۔ اس میں کسی بھی مرکزی یا صوبائی حکومت کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم نے اپنی مالیاتی ترجیہات، خوف کے اوپر استوار کی ہیں۔ جنگ کا خوف، طالبان کا ہمارے ملک میں خون کی ہوئی کھینے کا ڈر۔ یہ سب عملی حقیقتیں ہیں۔ اسیلے ملکی دفاع بہرحال ناقابل تنسیخ ہونا چاہیے۔ مگر اب صحت اور تعلیم کے شعبوں میں سرمایہ کاری کو حد درجہ ترویج ملنی چاہیے۔ ہر حکومت کو اپنے بجٹ کا بیس سے پچیس فیصد پیسہ، ان دو شعبوں کیلئے مختص کرنا چاہیے۔ ہبستا لوں پر حد درجہ محنت ہوئی چاہیے۔ تاکہ ہمارے شہری، سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے موت کا شکار نہ ہو سکیں۔ یہ قابل عمل تجویز ہے اور اس پر کوئی بھی حکومت، اگر چاہے تو ہمت دکھا کر عمل کر سکتی ہے۔ دوسری بات۔ آبادی کو ہر قیمت پر کنٹرول کرنا چاہیے۔ اس میں مذہبی طبقہ کا تعاون اس طرح حاصل کرنا چاہیے جیسے بغلہ دلیش نے کیا ہے۔ ہماری اتنی بڑی آبادی، بذاتِ خود ایک مصیبت ہے۔ جس طرح آج کرونا سے بچنے کے متعلق میڈیا میں مختلف مہمات چلا رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح اس زور و شور سے آبادی کو کنٹرول کرنے کی بھرپور جدوجہد کرنی چاہیے۔ یہاں تک عرض کروں گا کہ شروع میں اگر قانون بنائے کر بچوں کی تعداد صرف دو کرداری جائے تو مناسب عمل ہو گا۔ دو بچوں تک محدود رہنا ایک صائب قدم ہو سکتا ہے۔ یہ آج مشکل ضرور نظر آتا ہے مگر بغلہ دلیش اور چین نے یہ عملی طور پر کر کے دکھایا ہے۔ ہم چین کا ماذل تو شاہزاد نہیں اپنا سکتے۔ مگر پرانے رفیق یعنی بغلہ دلیش سے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس طبقے میں اجتہاد ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔

آگے چلیے، ایک حد درجہ اہم نکتہ کی طرف آنا چاہتا ہوں۔ اٹھارویں ترمیم کا تقیدی جائزہ لینا چاہیے۔ موجودہ حالات میں صوبے، صحت اور دیگر معاملات میں خود مختار ہیں۔ پھر بھی وفاق کی طرف امداد کیلئے دیکھتے رہتے ہیں۔ وفاق عملی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ ٹھنڈے دل سے، سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر اٹھارویں ترمیم پر افہام و تفہیم سے تبدیلی کا عمل شروع کرنا چاہیے۔ وفاق کو حد درجہ طاقتور نہیں، مگر اس قدر مالی استطاعت کا حامل ضرور بنانا چاہیے کہ صوبوں کی بروقت مدد کر سکے۔ اٹھارویں ترمیم دراصل ترمیم نہیں ہے، بلکہ یہ بذاتِ خود ایک نیا آئینہ ہے۔ جس میں چند سیاسی فریقین نے تمام مالی وسائل اپنے ہاتھ میں کر لیے۔ آج ملک مکمل طور پر کھینچاتا ہے، سیاسی رقبابت کا شکار نظر آرہا ہے۔ اس تناظر میں یہ اتنا آسان کام نہیں۔ مگر اس پر کام نہ کیا گیا تو مسائل بڑھتے جائیں گے۔ انجام کیا ہوگا، وہ بات حد درجہ خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔

ہاں، ایک اور بات۔ کرونا یا کوئی بھی وباء بہر حال خدا کی طرف سے آتی ہے۔ ہمارے ایمان کے مطابق یہ بات بالکل درست ہے۔ مگر اس کا علاج تو بہر حال سائنس نے سامنے لانا ہے۔ تاریخ کا سبق تو یہی ہے کہ جب ہزاروں سال پہلے، وبا کیں آتی تھیں تو عوام اور خواص، اسے دیوتاؤں کا عذاب بتاتے تھے۔ مگر عملی طور پر انہی معاشروں نے زمینی حقائق کا جائزہ لیکر، علم اور تحقیق کی بنیاد پر وباوں کو بے اثر کر ڈالا۔ ہنی طور پر مسلمان، علم کی دنیا سے حد درجہ دور ہیں۔ تحقیق ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ نتیجہ یہی کہ ہم محض ایمان کے ذریعے اس وباء سے نبرد آزمائہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر کیا اب ضروری نہیں کہ ہم اپنے قوی رویوں میں تحقیق کی اہمیت کو تسلیم کریں۔ علم کی بنیاد پر مسائل کو حل کرنا سیکھیں۔ ہمارا مذہبی طبقہ، اکثریت میں معتدل مزاج ہے۔ ان سے دلیل کی بنیاد پر مکالمہ کیا جائے اور پھر دنیاوی عوامل پر توجہ دی جائے۔ ملک کی فکری بنیاد کی از سر نو تجدید یونیکی جائے۔ مگر یہ بہت درجے مشکل کام ہے۔ بُنگلہ دیش نے بہر حال کر دکھایا ہے۔ ملیشیا نے عملی طور پر ثابت کیا ہے کہ دین اور دنیا کو اکٹھا چلا یا جاسکتا ہے۔ دوئی بھی اسکی ایک مثال ہے۔ کرونا کے بعد، ہمارے پاس ایک موقعہ ضرور ہے کہ ہم جدید توازن کی طرف گامزن ہو سکیں۔ اسکے برعکس ملک کی تہتر سالہ تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ ہمارے قائدین نے درست وقت پر کبھی بھی صحیح فیصلے نہیں کیے۔ ہمارے لیڈر اور عوام، یہی وقت اتنے ظالم اور جاہل ہیں کہ مشرقی پاکستان کو گنوادیا، مگر اپنے طریق نہ بد لے۔ یہی جہالت آج بھی ہر طرف آسیب بُنگلہ بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ موجودہ حکمران کیا کر پائیں گے۔ اسکے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال وبا کیں دنیا کے ملکوں کیلئے ترقی کے دروازے کھلوتی آئی ہیں۔ شائد ہماری ترقی کا بند دروازہ، کرونا کی وباء کے بعد کھل جائے۔ اگر یہ کواڑ بند رہے تو قوم اسی طرح منحدر ہیکی، جیسے کہ آج ہے۔ مفلوج، کمزور اور آسمانی مجنزوں کے انتظار میں گم! مگر شائد یہ کبھی نہ ہو پائے! کبھی بھی نہیں۔

راوی منظر حیات